رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۰۰)

رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۰۰)

ہفتہ وار

مملکت

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔

ایڈیٹر: میر حسن الدین
مینجنگ ایڈیٹر: سید عابد حسین

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد ۹ ، ۱۹؍ امرداد ۱۳۵۸ ف ، ۲۱؍ شعبان ۱۳۶۸ھ ، ۱۹؍ جون ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ ، نمبر ۱۰

ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا فیصلہ

اقلیتوں کی نمائندگی؟

ہندوستان کی مجلس دستور ساز نے ایک قرارداد کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ بجز اقوام درج فہرست کے مجالس مقننہ میں اقلیتوں کے لئے نشستیں محفوظ نہیں رکھی جائیں گی۔ قومی تحریک کے علمبرداروں کا یہ ادعا تھا کہ ہندوستان کے دستوری نظام میں برطانیہ نے جداگانہ طریقۂ انتخاب کا طریقہ رائج کیا جس کی وجہ سے فرقہ واریت اور علٰحدگی پسندی کے رجحانات کو ترقی ہوئی۔ اسی خیال کے تحت اقلیتوں کے لئے نشستوں کے تحفظ اور جداگانہ طریقۂ انتخاب کو ختم کر دیا گیا ہے۔ حقیقی جمہوریت میں نشستوں کے تحفظ اور جداگانہ انتخابات کے طریقہ کا کوئی مقام نہیں۔ جمہوریت میں تمام شہری قانون کی نظر میں یکساں ہیں۔ کسی شہری کو کوئی فوقیت نہیں۔ نظم ونسق میں شہریوں کے مذہب اور فرقہ کو نہیں دیکھا جاتا۔ افراد کی اس قانونی مساوات پر دوسرے افراد کی دولت اور سماجی پوزیشن کا اثر پڑتا ہے تاہم مذہب اور فرقہ کے اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

سیاسی مساوات جو جمہوریت کا لب لباب ہے اسی سوسائٹی میں حاصل ہو سکتی ہے جو قبائلی یا جاگیرداری نظام سے بالاتر ہو۔ جو سماج مختلف طبقات میں منقسم ہو وہاں جمہوریت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہندوستانی سماج میں قبائلی اور جاگیرداری نظام کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ یہ کوئی متجانس سماج نہیں ہے۔ ہندوستانی سماج مذہب اور ذات پات کے لحاظ سے منقسم ہے۔ مذہب اور ذات پات کے اختلافات بہت نمایاں ہیں۔ یہ اختلافات بہت قدیم اور مستحکم ہیں۔ ذات پات کے اختلافات زندگی کے تمام شعبوں سیاسی سماجی اور معاشی میں موجود ہیں۔ ایسے سماج میں سیاسی جمہوریت کا کامیاب ہونا بہت دشوار ہے۔

برطانوی حکمرانوں نے اس دشواری کے پیش نظر جداگانہ انتخاب اور نشستوں کے تحفظ کا طریقہ رائج کیا لیکن اس طریقہ سے اتحاد کے بجائے اختلافات بڑھتے گئے۔ فرقہ واریت کو ابھارنے کی حد تک برطانوی حکمران قابل مذمت ہیں لیکن یہ کہنا درست نہیں اور تاریخ کے خلاف ہے کہ ذات پات کے اختلافات انگریزوں کے پیدا کردہ ہیں۔ ہندوستان کی قومی تحریک شروع کرنے والوں کا خیال تھا کہ اگر تمام افراد اپنے آپ کو ہندوستانی سمجھنے لگیں اور قومی مفاد پر فرقہ واری مفاد کو ترجیح نہ دیں تو ہندوستان ایک سیاسی اور سماجی وحدت کی حیثیت سے نمو پائے گا۔ لیکن قومی تحریک کی نشوونما کے دوران میں اکثریتی فرقہ کے رجحانات غالب آگئے جس کے نتیجہ کے طور پر مسلم قومیت کی تحریک شروع ہوئی۔ اس طرح ہندوستانی سماج میں اتحاد کے بجائے دو علحدہ ہندو و مسلم سماج وجود میں آگئے۔ غیر مسلم سماج میں اب بھی ذات پات کے جھگڑے موجود ہیں۔ ہندوستانیوں میں جو اتحاد نظر آرہا تھا وہ انگریزوں کے خلاف سلبی بنیادوں پر قائم تھا۔ یہ اتحاد عارضی تھا اور انگریزوں کے ہٹتے ہی یہ ختم ہوگیا۔ آزادی کے بعد بھی ہندوستانی سماج مختلف طبقوں اور گروہوں میں منقسم ہے۔

ہمارے قائدین سمجھتے ہیں کہ قومیت کے نام سے یہ سارے اختلافات اور ذات پات کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ مجلس دستور ساز میں وزیر اعظم اور نائب وزیر اعظم نے یہ تلقین کی کہ لوگ اپنے آپ کسی فرقہ یا گروہ سے وابستہ سمجھنے کے بجائے اپنے اندر قومی نقطۂ نظر پیدا کریں اور اپنے آپ کو ہندوستانی سمجھیں۔ اس تلقین کا آزادی سے کچھ اثر نہیں ہوا جبکہ انگریزوں کی موجودگی کی وجہ سے ہندوستانیوں میں اتحاد کے زیادہ مواقع تھے۔

سیاسی جمہوریت کو کامیاب بنانے کے لئے اور معاشی و سماجی جمہوریت کے لئے راستہ تیار کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ملک میں ایک ہم آہنگ اور ہم رنگ سماج کو نمو دیا جائے۔ قومیت کو اپیل کرنے یا طبقاتی کشمکش کو ابھارنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک قدیم سماج کی عمارت کو ڈھا نہ دیا جائے اور اس خاکستر سے ایک نیا سماج وجود میں نہ آجائے جمہوریت صورت پذیر نہیں ہو سکتی۔ فرقہ واری رجحانات یا ذات پات کے جھگڑوں کو مٹانا اور فرقہ واریت کے شدید جذبات کو ختم کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے ایک سماجی انقلاب ناگزیر ہے۔

جداگانہ انتخابات یا نشستوں کے تحفظ کو ختم کرکے یہ سمجھنا کہ فرقہ واری اختلافات اور ذات پات کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے سخت غلطی ہے۔ یہ اختلافات ہماری سیاسی اور سماجی زندگی میں جاگزیں ہیں۔ جب تک یہ اختلافات اور رجحانات موجود ہیں مخلوط (باقی دیکھو)

۷۸۶ / ۹۲

ہفتہ وار

مملکت

۱۹ / امرداد ۱۳۵۸ ف

ذہنی نشر و اشاعت

مسٹر باکھلے توجہ فرمائیں

خواہ حیدرآباد اپنی موجودہ صورت میں برقرار رہے یا اس کے ٹکڑے ہوجائیں ہر صورت میں ذہنی عوام کے لئے صحیح معلومات بہم پہنچانا اور مسائل حاضرہ سے متعلق مسئلہ کا ہر پہلو آسان انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے اُن میں اچھے اور بُرے کی تمیز پیدا کرنا تاکہ وہ گمراہ کرنے والوں سے بچے رہیں حکومت وقت کا ایک اہم فریضہ ہے۔ انڈین یونین نے بارہا کہا ہے کہ وہ حیدرآباد میں ایک غیر مذہبی جمہوری حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اگر حیدرآباد اپنی موجودہ صورت میں قائم نہ بھی رہے تو تب بھی حیدرآباد کے ان ٹکڑوں میں جو متعدد علاقوں میں ضم ہوجائیں گے ایک غیر مذہبی جمہوریت قائم رہے گی۔ عوام کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ غیر مذہبی جمہوری حکومت کے مضمرات کیا ہیں۔ وہ کونسے بنیادی تصورات ہیں، وہ کونسا ضابطہ اخلاق ہے اور وہ کونسا معاشی پروگرام ہے جو ایک غیر مذہبی جمہوری حکومت کا اساس ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر عوام کو ان کی فہم کے مطابق سیاسیات، اخلاقیات اور معاشیات کے موٹے موٹے اصول ذہن نشین کرانا ضروری ہوگا۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر عوام ان اصولوں سے ناواقف رہیں تو ایک غیر مذہبی جمہوری حکومت بے معنی سی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس مہم کی دوسری بڑی غایت یہ ہونی چاہئے کہ دیہات کے باشندے ہر جنبہ بانگ رہرو کو رہبر نہ سمجھ بیٹھیں۔ دوسرے الفاظ میں شعورِ عامہ صحیح اصول پر بیدار ہوجائے۔ ہماری رائے میں انڈین یونین پر یہ عظیم اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حیدرآباد کے باشندوں کے اذہان اور طبائع کو اس نظام زندگی کے لئے تیار اور آمادہ کرے جس کو انڈین یونین اس سرزمین پر پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے۔ تعلیم بالغان یا مدارس شبینہ جہاں لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے ان اغراض کو پورا نہیں کرسکتے۔ اس کام کے لئے ایک خصوصی مہم درکار ہے اور اس کے طریقے بھی خاص ہونے چاہئیں۔ ایسا ہی شخص اس کام کی تنظیم کرسکتا ہے جو مسائل حاضرہ سے واقف ہونے کے علاوہ عوام کی ذہنیت اور ان کی نفسیات سے کماحقہ واقف ہو، اُن کی اصطلاحات میں سوچ سکے اور گفتگو کرسکے، اور جس کا انداز بیان اور تحریر عوام کے لئے دل نشین ہو۔

یہ سمجھنا بڑی غلطی ہوگی کہ سیاسیات، اخلاقیات اور معاشیات کے اصول دیہاتی باشندوں کی ذہنی دسترس سے باہر ہیں۔ دیہات کا باشندہ سیاسیات اور معاشیات کے ایسے اصولوں سے خوب واقف رہتا ہے جو اس کی روزمرہ زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ اپنے درد سے خوب واقف ہے اس لئے وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس دوا سے اس کے درد کا علاج ہوسکتا ہے۔ اخلاقیات کے اصول بھی اس کے لئے یوں غیر مانوس نہیں ہیں کہ مذہبی تعلیمات یا قصوں کی شکل میں وہ اخلاق کے مبادیات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے۔ پس اگر حکومت وقت ایسی کوئی مہم آغاز کرے تو یہ نہیں کہا جاسکے گا کہ حکومت ایک بنجر زمین میں بیج بو رہی ہے۔

بعض اخباری اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت نے ڈراموں اور فلموں کے ذریعہ عوام کی صحیح رہنمائی کا بیڑا اٹھایا ہے لیکن اس مہم کو مخالف کمیونسٹ رنگ دینا یا اس کو اس نام سے موسوم کرنا بڑی غلطی ہوگی۔ جیسا کہ ہم نے اپنے ایک پچھلے اداریہ میں لکھا ہے کمیونزم کی جان اس کا معاشی پروگرام ہے اور کمیونزم کے معاشی نصب العین سے انکار یا انحراف انسانیت سے انحراف کے مترادف ہے۔ اس لئے نفس کمیونزم کی مخالفت مہمل بات ہوگی۔ البتہ مقامی کمیونسٹ پارٹی کے وحشیانہ طریقہ کار کی مذمت اور عوام کو اس کا شکار ہونے سے بچانے کی کوشش سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ صرف ان افعال کی مذمت کیوں کی جاتی ہے جو ورنگل اور نلگنڈہ میں کمیونزم کے نام سے سرزد ہو رہے ہیں اور ان بہیمانہ افعال سے کیوں چشم پوشی کی جاتی ہے جو سارے حیدرآباد میں ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد سے ایک مخصوص فرقہ کے خلاف وسیع پیمانہ پر جاری ہیں۔ تشدد، قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ، عصمت دری بہرحال بُرے افعال ہیں خواہ وہ کمیونسٹوں سے سرزد ہوں یا کانگریسیوں سے، تلنگانہ میں سرزد ہوں یا مرہٹواڑی میں، مسلمانوں سے سرزد ہوں یا ہندوؤں سے۔ اس لئے مسٹر بودراؤ اور مسٹر جانکی پرشاد کو ہمارا یہ مشورہ ہے کہ وہ مسٹر باکھلے کو توجہ دلائیں کہ حکومت اپنی مخالف تشدد مہم کو تلنگانہ کے چند اضلاع تک محدود نہ رکھے بلکہ ساری ریاست میں اس قسم کی مہم جاری کردیں۔

ہماری دوسری گزارش یہ ہے کہ اس مہم کا ایک مثبت پہلو بھی ہو۔ عدم تشدد کا پرچار کرنا ایک منفی پہلو ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ عوام کو یہ بھی بتائے کہ ایک غیر مذہبی جمہوری حکومت کا معاشی پروگرام کیا ہوتا ہے۔ ایک غیر طبقاتی سماج کی تشکیل کس طرح ممکن ہے۔ فرقہ وارانہ رجحانات کو مٹانے، پبلک زندگی کو معاشی محرکات پر مبنی کرنے، اور عوام کی ذہنی سطح کو بلند کر کے صحیح سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے حکومت خود کیا کرنا چاہتی ہے اور عوامی لیڈروں سے کیا توقع رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ حکومت کو ایک معیاری پروگرام پیش کر دینا چاہئے تاکہ دوسرے سیاسی اور معاشی پروگرام اس کسوٹی پر جانچے جاسکیں اور ضمناً عوام کو یہ معلوم ہوجائے کہ حکومت کیا کر رہی ہے اور کیا کرنا چاہتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کام محکمہ اطلاعات ہی بوجوہ احسن انجام دے سکتا ہے

حکومت کے پاس ایک نیم ماہی رسالہ ہے جو کئی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ لٹریچر میں جو کئی زبانوں میں پروگرام نشر کرتی ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ساتھ حکومت ایسی پارٹیاں تشکیل دے جو دیہاتوں میں جاکر عوام میں بیٹھ کر ان کے انداز فکر، ان کی سمجھ بوجھ، ان کی اصطلاحات اور ان کی روز مرہ دلچسپیوں کو پیش نظر رکھ کر ان میں افہام و تفہیم کا کام کرے تو ہم یقین دلاتے ہیں کہ حکومت کو فوج اور پولیس پر اتنا روپیہ خرچ کرنا نہیں پڑے گا جتنا وہ آج کر رہی ہے جب عوام کے ذہنوں میں نئے قسم کا انقلاب رونما ہو جائے تو ان سے غلط قسم کے افعال سرزد نہیں ہو سکتے۔ لکھنا پڑھنا سکھانے کی مہم تو اپنی جگہ اچھی ہے لیکن اس کے نتائج ظاہر ہونے کے لئے کم از کم ربع صدی درکار ہے۔ اگر محکمہ اطلاعات اس مہم کو اپنے ذمہ لے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو چند ہی سال میں اچھے نتائج پیدا اور ظاہر ہو سکتے ہیں۔ بس اس کی ضرورت ہے کہ محکمہ اطلاعات و نشر و اشاعت کے اہم شعبہ کو وسیع کرے اور اس میں کام کرنے کے لئے تلنگی، مرہٹی اور کنڑی بولنے والے ایسے بے لوث پبلک کارکنوں کو مدعو کرے جو خود بھی حکومت کے نقطۂ نظر اور پروگرام سے متفق ہوں۔ اگر اس اسکیم پر حکومت کے دس پانچ لاکھ روپے صرف ہو جائیں تو اس کو صرفہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ ایک قومی تعمیر کا کام ہے جس کا نتیجہ سیاسی، اخلاقی اور معاشی ترقی کی صورت میں پیدا ہوگا۔ عوام کی صحیح اصول پر تعلیم کے بغیر جمہوری حکومت قائم کرنا ہر بالغ کو حق رائے دہی عطا کرنا اور یہ توقع رکھنا کہ وہ فرقہ، طبقہ اور ذات پات کے بندھنوں سے بالاتر ہو کر خالص ملک کی فلاح و بہبودی کی خاطر اس حق کا استعمال کریں گے ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔ انڈین یونین نے حیدرآباد کے تعلق سے بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ مسٹر باگلے انڈین یونین کے اہم ترین نمائندے ہیں اور رائے عامہ کی صحیح تشکیل کی حد تک مسٹر منور راؤ اور مسٹر بانگی پرشاد مسٹر باگلے کے مشیر ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ حضرات انڈین یونین کو حیدرآباد کے تعلق سے خفیف اور سبک ہونے کا موقع نہ دیں گے۔

معاشی مسائل حل کیے بغیر روشن مستقبل کی توقع نہیں

پنڈت کنزرو صدر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی نے حکومت پر زور دیا ہے کہ ملک جن معاشی مسائل سے دوچار ہے اُن سے نپٹنے کے لئے وہ تمام ضروری اقدامات کرے۔ انھوں نے کہا کہ جب تک اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل نہ نکل آئے ہم مستقبل سے بڑی بڑی امیدیں نہیں لگا سکتے۔ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے ۴۳ ویں سالانہ اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا ہے اور جب تک پیداوار میں کافی اضافہ نہیں ہو جاتا ملک کی معاشی بے اطمینانی دور ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس مسئلہ کا ایک اطمینان بخش حل طبیعیاتی طریقے سے حل نہیں ہو سکتا۔ معاشی بے اطمینانی اسباب کو دور کرنے کے لئے صرف امن و ضبط کے قیام کا آہنی عزم کافی نہیں ہے بلکہ حکومت کو چاہئے کہ وہ ایک ایسی فضا پیدا کرنے کے لئے اقدامات کرے جس کے زیر اثر تمام پارٹیاں پیداوار کا اضافہ کرنے کی جانب راغب ہو جائیں۔

پنڈت کنزرو نے اپنی تقریر کے دوران میں ان مقامی تحفظ کے قوانین کا ذکر کیا جو مختلف صوبوں میں نافذ ہیں اور حکومت نے نظم و ضبط کے قیام کے لئے عہدہ داروں کو خصوصی اختیارات دیئے ہیں ان کا بھی حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے حکومت سے درخواست کی اور کہتے رہے کہ ملک بھر میں اس کی اس پالیسی کے خلاف کس قدر انتہائی بے اطمینانی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اس امر کا بھی اعتراف کیا کہ ملک میں امن و ضبط کا قیام ضروری ہے اور ابھی تک صورت حال معمولی نہیں ہوئی ہے۔ بعض صوبوں میں تو صورت حال نہایت ہی قابل تردد ہو گئی ہے۔

پنڈت کنزرو نے اپنا سلسلۂ خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ملک کی صورت حال تو یہ ہے اور جو قانون منظور کیا گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ قانون صرف غیر ضروری ہے بلکہ عوام کے مفاد کی خاطر جو تحفظات تھی تھیں وہ بھی نہ مل سکے۔ ہندوستان نے دولت عامہ میں رہنے کا جو فیصلہ کیا ہے اس کا انھوں نے خیر مقدم کیا کیونکہ اس طریقہ سے ہندوستان امن عالم کے قیام اور خود اپنی ترقی کے لئے موثر خدمت انجام دے سکے گا۔ انھوں نے معاہدہ لندن کے متعلق کہا کہ یہ معاہدہ حقائق کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے اس معاہدہ سے ہندوستان کا مرتبہ بین قومی سیاست کے اکھاڑے میں کافی بلند ہو گیا ہے۔

پنڈت کنزرو نے اس امر پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا کہ ریاستوں کے الحاق و انضمام کا کام اب قریب الختم ہو رہا ہے لیکن پنڈت کنزرو کے خیال میں ریاستوں کے الحاق سے دو ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن پر فوری توجہ صرف کرنی چاہئے ایک یہ کہ ریاستی [illegible] میں قیادت کے مسئلہ پر مختلف گروہ آپس میں برسرپیکار ہو گئے ہیں اور دوسرا مسئلہ یہ کہ نظم و نسق کو چلانے کے لئے تربیت یافتہ اور تجربہ کار لوگ نہیں مل رہے ہیں۔ دوسری مشکل تو صوبوں میں بھی محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لئے کارکرد اور ایماندار سیول ملازمین پیدا کرنے کے لئے اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ انھوں نے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ مختلف گروہوں کا درمیانی اختلاف پالیسی یا کسی پروگرام کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ یہ ذاتی مفاد کا نتیجہ ہے۔ پنڈت کنزرو نے کہا کہ سردار پٹیل اس مشکل کو دور کرنے کے لئے ممکنہ حد تک اپنے اثرات کو کام میں لا رہے ہیں لیکن حقیقی حل صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ ریاستی عوام یہ محسوس کر لیں کہ ان کے مستقبل کا انحصار ایک ایسی حکومت کے استحکام پر ہے جو اصولوں کے تحت کام کرے۔ پنڈت کنزرو نے آگے چل کر کہا کہ ملک میں جو رشوت ستانی کا بازار گرم ہے اس کے خلاف شکایتوں کا طومار بڑھتا ہی جا رہا ہے بعض شکایتیں تو اعلیٰ عہدہ داروں کے خلاف بھی کی جا رہی ہیں۔ یہ توقع

(باقی صفحہ [illegible] پر)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید :-

انڈین سوشلسٹ پارٹی کی طرح مقامی سوشلسٹ پارٹی نعروں کے بہاؤ میں بہتی رہتی ہے ۔ اس نے بعض اوقات متضاد نعرے لگائے ہیں ۔ چنانچہ یہاں کی سوشلسٹ پارٹی ایک طرف زمین کو توڑنے کا مطالبہ کرتی اور دوسری طرف یہ نعرہ لگاتی ہے کہ زمین جوتنے والے کی ہے ۔ ان دونوں نعروں میں جو تضاد ہے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ۔ (رہنما)

جڑچرلہ میں تقریر کرتے ہوئے سوامی رامانند تیرتھ نے کہا کہ :-

مذہب شخصی زندگی میں مداخلت کا باعث نہ بن سکے گا ۔ مذہب کو سیاست میں کوئی دخل نہ ہوگا ۔

مگر ایک مذہبی آدمی سیاسی جماعت کا صدر ضرور ہوگا ۔

اسی تقریر میں سوامی جی نے یہ بھی کہا کہ :-

ہماری مشہور جدوجہد شروع ہوگئی اور نتیجۃً انقلاب آیا اور ہم آزاد ہوگئے

گویا حیدرآباد میں پولیس کارروائی ہوئی ہی نہیں ۔ اب ہم سوامی جی کی کرامتوں کے کچھ کچھ قائل ہوتے جارہے ہیں ۔

معاصر "سلطنت" اپنے ایک اداریہ میں لکھتا ہے کہ :-

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہماری اکثریت شب برات میں نازل ہونے والی برکتوں اور رحمتوں سے بے خبر ہے ۔ اور اسے عبادت میں گزارنے کے بجائے دوسرے مادی مشاغل میں صرف کر دیتی ہے ۔

بجا [illegible] دوست

اس اداریہ کو پڑھ کر عبادت کی طرف مائل ہوئے تھے مگر سلطنت کی اسی اشاعت میں سینما کے دلکش اشتہارات دیکھ کر پھنس گئے :-

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ایک پریس نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ :-

سرکاری مدارس میں دینیات کی بجائے اخلاقیات کی تعلیم کا انتظام کیا جارہا ہے ۔ اخلاقیات امتحانی مضمون نہیں ہوگا ۔

یعنے اخلاقیات صرف تفریحی مضمون رہے گا ۔

ایک اخباری اطلاع ہے کہ :-

حکومت ہند نے اجازت دی ہے کہ جن رقبوں میں مسکرات کی بندش ہے وہاں نیرہ فروخت کیا جاسکتا ہے

اگر اس رقبہ کے باشندے نیرہ شام کے وقت پیا کریں تو کوئی اعتراض نہیں ۔

اورینٹ پریس کی اطلاع ہے کہ :-

ڈاکٹر میلکوٹے نے راجہ صاحب بھستان گرگنٹہ کی دعوت قبول کرلی ڈاکٹر صاحب اب تک اپنے آپ کو جاگیرداروں اور بھستانوں کے مخالف ظاہر کرتے تھے ۔

نظام جاگیرداری کی خرابیاں سمجھانے کے لئے ڈاکٹر میلکوٹے نے دعوت قبول کی ہوگی ۔ ڈاکٹر صاحب علاج بالمثل کے قائل معلوم ہوتے ہیں ۔

معاصر "اقدام" لکھتا ہے کہ :-

حالیہ انقلاب کی زد میں آئی ہوئی بیواؤں کے لئے حکومت کی جانب سے ایک صنعتی مرکز کے قیام کی اسکیم روبہ عمل لائی جانے والی ہے ....

کچھ عرصہ قبل مولوی باقر علی مرزا صاحب نے بھی ایک ایسی اسکیم مرتب کی تھی لیکن ملک کے سرمایہ داروں کی بے حسی کی وجہ سے انھوں نے عارضی طور پر اس کام کو ملتوی کردیا ۔

ہماری رائے میں مسٹر باقر علی مرزا مستقل طور پر اس اسکیم کو ملتوی کردیں تو مناسب ہے ۔ صرف اخباری تشہیر کافی ہے ۔

دیکھئے نگاہ مرجھائے ہوئے پھول قفس میں
شاید کہ پسند آئے اسیروں کو اسیری

ڈاکٹر میلکوٹے کے مکان پر سیاسی کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا جس میں بیواؤں کی امداد کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ۔ اس کمیٹی میں مسٹر یونس سلیم بھی شریک رہیں ۔ (ایک خبر)

اگر یتیم خانہ انیس الغربا بھی ـــــ جس کے منتظر رو پوش ہیں ـــــ جملہ اثاثوں کے ساتھ مسٹر یونس سلیم کی تحویل میں دیدیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟

برطانیہ افغانستان کے جارحانہ طرز عمل کے خلاف پاکستان کی امداد کرے گا ۔ (اخباری سرخی)

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

رائچور میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناردھن راؤ دیسائی نے کہا کہ :-

عوام کی بھلائی کے لئے مسلمان دیگر فرقوں کے ساتھ مل جل کر کام کریں ۔

اور مسلمانوں کی بھلائی کا مطلب یہی فرقہ واریت ہے ۔

عالمی امن اور سوویٹ روس

از

ڈبلو این ایور

پیرس میں وزرائے خارجہ کی کونسل صرف جرمنی پر مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ لیکن ہر ایک آدمی کو اس کا پورا احساس ہے کہ اس مسئلہ کے پیچھے ایک عالمی مسئلہ پوشیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا سوویٹ روس سرد جنگ کو صرف جرمنی میں بلکہ ہر جگہ ختم کرنا چاہتا ہے یا کچھ دیر کے لئے ملتوی کرنا چاہتا ہے کہ نہیں؟ کیا وہ دونوں کیمپوں کے درمیان امن کا متمنی ہے؟ کیا وہ اپنے جارحانہ اقدامات کے درمیان وقفہ کو نہیں چاہتا؟

یہ سب بہت مشکل سوالات ہیں۔ کیونکہ بدقسمتی سے تجربہ نے یہ سکھایا ہے کہ روس کی ظاہری باتوں پر پوری طرح یقین کرنا ناممکن ہے۔ روسیوں نے ریاکاری اور پردہ داری کے ہتھیاروں کو اتنی بار استعمال کیا ہے کہ اب ان کے ہر ایک بیان اور اقدام کا بغور مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ روس نے اپنا اعتبار خود کھو دیا ہے۔ عالمی سیاست کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ روسیوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے خواہ مخواہ شک ہو سکتا ہے اس لئے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ ظاہری باتوں کو نظر انداز کر کے اصلی واقعات پر غور کیا جائے۔

ایک اصلیت تو یہ ہے کہ روس ایک سال پہلے کے مقابلہ میں زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ برلن کی معاشی ناکہ بندی کرنے میں روس نے جلد بازی سے کام لیا تھا لیکن بعد میں اس نے بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے یہ دیکھا کہ ضروری سامان پہنچانے والے ہوائی جہازوں کو نہ روکا جائے۔ اس نے مغربی طاقتوں کے ساتھ ٹکر لینے کے خطرات کو محسوس کیا اور ایسا کرنے سے احتراز کیا۔ آخر میں معاشی ناکہ بندی اٹھا دی گئی اور ایک سال پہلے کے جنگجویانہ رویہ کی جگہ بات چیت کی خواہش نے لے لی۔

روس کی یہ احتیاط صرف جرمنی تک ہی محدود نہیں۔ یہ احتیاط اور ہوشیاری تو ہر جگہ برتی جا رہی ہے یونان اور چین میں خانہ جنگی جاری رہی ہے۔ لیکن روس نے اس بات کی بہت احتیاط برتی ہے کہ وہ ان دونوں ملکوں کے معاملات میں زیادہ کھلم کھلا اپنے آپ کو نہ الجھائے۔ یونانی اور چینی کمیونسٹوں کے ساتھ اس کے ستارے کی [illegible] ہیں۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں اسپین کی خانہ جنگی کی یاد آ جاتی ہے۔

سوویٹ حکومت نے سپین کی خانہ جنگی میں بہت احتیاط برتی تھی تاکہ ہٹلر یا مسولینی کے ساتھ کھلم کھلا ٹکر نہ ہو جائے۔

اسکنڈے نیوی ممالک کے ساتھ روس نے جو اعصابی جنگ شروع کر رکھی تھی اب وہ ختم ہو گئی ہے۔ فن لینڈ میں جمہوری نظام کو ختم کرنے کے لئے روس نے ایسے ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی جو اس نے ہنگری اور چیکوسلواکیہ میں استعمال کئے تھے۔ نہ صرف ترکی بلکہ ایران پر بھی روسی دباؤ تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو سال پہلے کے مقابلہ میں روسی پالیسی آج غیر جارحانہ ہے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا روس نے واقعی اپنی پالیسی تبدیل کر لی ہے یا یہ بھی ایک روسی چال ہے۔ صریحی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تبدیلی بھی روس کی ایک شاطرانہ چال ہے۔ روس کا جارحانہ اقدامات سے باز رہنا اور اس کی خواہش کا اونچی آواز اظہار کرنا مغربی اقوام کو سلامتی کے متعلق جھوٹی تسلی کا فریب دے سکتا ہے یا مخالفت ابھار سکتا ہے تاکہ ان کی دفاعی تیاریوں کو نقصان پہنچے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مغربی جمہوریتوں کی نئی وحدت پر ایک نفاقی حملہ ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جارحانہ حملہ شروع کرنے سے یہ صرف تھوڑا سا وقفہ ہو۔ روس سمجھتا ہو کہ شاید جمہوری ممالک میں کوئی معاشی یا سیاسی بحران پیدا ہو جائے اور اس کو حملہ کرنے کے لئے مناسب حالات مل جائیں۔

اس کے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ اسٹالن اور اس کے شریک کار نے تمام صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہو کہ روس کی اس وقت اتنی طاقت نہیں کہ وہ مغربی طاقتوں سے ٹکر لے اور یہ کہ ۲۵ سال پہلے کی طرح اس کو مغربی دنیا کے معاشی اشتراک کی ضرورت ہے۔ وہ روس کا پروپگنڈہ کرنے والوں کے مقابلہ میں سوویٹ یونین کی معاشی حالت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو اپنی نئی یورپی امپائر کی اقتصادی اور سیاسی کمزوریوں کا پوری طرح علم ہے۔

بالکل ممکن ہے کہ انھوں نے اس بات کا فیصلہ کیا ہو کہ بحران سے بچنے کے لئے دو کیمپوں کی کھلم کھلا ٹکر کو غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔

شاید ٹھیک ہو۔ لیکن مغربی اقوام اس کو تسلیم کر کے خطرہ مول نہیں لے سکتیں۔ وہ سوویٹ روس کے بیانات اور باتوں پر یقین کر کے مصیبت کو دعوت نہیں دے سکتی ہیں۔

پیرس کے اجلاس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے سوویٹ روس کے مقاصد کا امتحان ہو جائے گا۔ لیکن دریں اثنا مغربی طاقتوں کو خبردار رہنا چاہئے۔

برطانیہ کی لیبر پارٹی اور تحریک امداد باہمی

برطانیہ کی لیبر پارٹی اور تحریک امداد باہمی کے تعلقات ہمیشہ بہت گہرے رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ کوآپریٹیو پارٹی کے قائم ہونے سے یہ تعلقات پیچیدہ بھی ہو گئے ہیں کوآپریٹیو لیبر پارٹی کے ساتھ کافی مدت سے قائم و دائم ہے۔

یہ پارٹی تحریک امداد باہمی کے لئے پارلیمنٹری نمائندگی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس وقت پارلیمنٹ میں کوآپریٹیو پارٹی کے ممبروں کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں ہے لیکن پارلیمنٹری لیبر پارٹی کے تقریباً ۴۰۰ ممبر ہیں اس لئے تحریک امداد باہمی کے سیاسی رہنما چاہتے ہیں کہ لیبر پارٹی اور کوآپریٹیو پارٹی ایک جگہ بیٹھ کر دونوں پارٹیوں کی تنظیم اور پالیسی کے متعلق تبادلۂ خیالات کریں۔

پالیسی کے متعلق جو مسائل ہیں وہ اس سوال سے زیادہ مشکل ہیں کہ کوآپریٹیو پارٹی کو لیبر پارٹی کے ساتھ ساتھ کس طرح پارلیمنٹ میں پہلے سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔

کوآپریٹیو پارٹی کا دعویٰ ہے کہ لیبر پارٹی زیادہ تر مال پیدا کرنے والوں یعنی مزدوروں کی نمائندگی کرتی ہے اور وہ خود خرچ کرنے والوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ دونوں پارٹیوں کی یہ کوشش ہے کہ قوم کے ذرائع کو مشترکہ ملکیت اور کنٹرول میں دے دیا جائے۔ دونوں کے بنیادی مقاصد ایک جیسے ہیں لیکن طریقۂ کار کے متعلق وہ ایک دوسرے سے متفق نہیں ہیں کوآپریٹیو پارٹی کے لئے خرچ کرنے والوں کے مفاد کو اولین پوزیشن حاصل ہے۔ مثال کے طور پر پبلک خریداری کے معاملہ میں کوآپریٹیو پارٹی کے صدر نے کچھ ہفتے پہلے سالانہ کانفرنس میں ایک تقریر کے دوران میں کہا کہ پبلک کی ملکیت میں جتنی زیادہ صنعتیں لائی جائیں گی اتنی ہی ضرورت اس بات کی ہے کہ تنظیم کی مناسب شکل ڈھونڈی جائے۔ کانفرنس میں یہ بات صاف طور پر بتائی گئی تھی کہ تحریک امداد باہمی کے کارکن ہرگز یہ خیال نہیں کرتے کہ صنعتوں کو اسٹیٹ کی ملکیت میں دے دینا ہی مشترکہ ملکیت اور کنٹرول کا بہترین طریقہ ہے۔

(باقی)

اردو ہندو مسلم اتحاد کی نشانی ہے

ڈاکٹر سری کرشن سنہا کی تقریر

بینٹ ہال میں اردو کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے بہار کے وزیر اعظم ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے فرمایا کہ چند روز قبل لوگ اردو کانفرنس کے افتتاح کی تمنا لے کر میرے پاس پہنچے۔ میں نے اردو زبان میں تقریریں سنی ہیں۔ خطابات سنے ہیں اور لوگوں کو مقالات پڑھتے سنا ہے۔ چونکہ بدقسمتی سے میں خود اردو لکھ پڑھ نہ سکا اس لئے اس کے متعلق میری بہت گہری واقفیت نہ تھی۔ آسان اردو بہت آسانی سے سمجھ جاتا ہوں لیکن عظیم خیالات اور ندرت آمیز مضامین سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ میرے گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ کی ایک وجہ یہی ہو سکتی تھی لیکن میں ایک ہندوستانی اور صرف یہی نہیں بلکہ بہاری بھی ہوں اردو پر میرا حق بھی ہے جتنا دوسروں کا ہے۔ میری شرکت ضروری تھی

انھوں نے فرمایا کہ اردو تاریخ کے مطالعہ میں اپنے صوبے کے مقام کو کسی دوسرے صوبے سے کم اونچا نہیں دیکھتا ہوں۔ اردو کی ترقی میں اس کا بھی نمایاں حصہ ہے آج سے کئی سو سال پہلے میر کے بزرگ نے اس سرزمین پر اردو کا علم بلند کیا تھا۔ اور اس کے بعد ان کے ساتھ مریدوں نے سرگرمی سے اس کو ترقی دی۔

یہاں رفتہ رفتہ ادبا، شعرا اور دانشور پیدا ہوتے رہے اور اردو بتدریج پھیلتی رہی۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں شاد اور بیدل جیسے شاعر پیدا ہوئے۔ میں اس تاریخ کی ترتیب دینے والے کی ناانصافیوں کو نہیں بھلا سکتا ہوں جو اردو کی تدریجی اور ترقی کی تاریخ ترتیب دیتے وقت بہار کو نظرانداز کر جاتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک اردو کی خدمت کا تعلق ہے یہ دلی اور لکھنؤ کے دبستان ادبیات سے کبھی پیچھے نہیں رہا ہے۔

ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے مزید فرمایا کہ مجھے انگریزی کی چند اردو تواریخ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے اردو زبان صرف ہندو مسلم اتحاد کی نشانی نہیں بلکہ اس نے ہندوستان کی تہذیب اور تمدن کی بناوٹ اور ترقی میں بھی ایک اہم حصہ لیا ہے۔ ادب و شعر کے ذریعہ ملک میں انقلاب پیدا کرنے والے شعرا۔ غالب، داغ، حالی، اقبال یہی اردو کے سمندر سے انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں جتنی بھی زبانیں رائج ہیں ان میں اردو کو عظیم الشان درجہ حاصل ہے۔

انھوں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جس زبان نے ملک کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا ہے اور جس کی گود میں بڑے بڑے ادبا اور شعرا اور رہنما پرورش پاتے رہے ہیں آج آزاد ہندوستان میں اردو کے زندہ رہنے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے کہا کہ میں انگریزی زبان اور انگریزی کتابوں کو بہت پسند کرتا ہوں میں کسی بھی قیمت پر اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ میرے پسند کی وجہ بجز اس کے اور کوئی دوسری نہیں کہ یہ ایک بہترین زبان تمام بولیوں کو اپنی گود میں جگہ دینے والی اور ساری دنیا میں رائج شدہ زبان ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ زبان کی ایسی خوش حالی ہمارا لازمی جو ہمارے ہاتھ میں ہے سکے مجھے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہے کہ مجھے اردو زبان کو بھی نت نئے پھولوں سے سجانا ہے۔ آگے بڑھانا ہے اور دلکش اور نیا پن دینا ہے۔

ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے زبان کے تدریجی ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہندوی سنسکرت کے بوجھ سے بری طرح دب گئی اور اردو زبان عربی اور فارسی کے نامانوس اور ثقیل لفظوں سے بری طرح گھائل ہوئی۔ میں زبان میں نامانوس اور ثقیل لفظوں کا سخت مخالف ہوں۔ سہل اور آسان لفظوں کے بجائے بڑے بڑے بول کٹھن زبان کی ارتقا میں روڑا اٹکاتا ہے۔ اور آسان لفظوں اور ناموں کی بجائے کٹھن کٹھن ترکیب اور لفظ تراشنا ملک کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ اگر ان غلط حرکتوں کی روک تھام کی جائے تو ہندوستان کی زبان بابت حسن و دلکش اور مفید بن سکتی ہے۔

انھوں نے مزید فرمایا کہ ہندی، اردو ہندوستانی کے جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اسی طرح کی سرگرمی ملک کا حل نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملک میں ایک زبان سے زائد بھی کئی زبانیں بن سکتی ہیں ایسا ہوتا ہوگا لیکن ہندوستان میں صرف ایک ہی زبان ایسی ہے جو یہاں کی زبان بن سکتی ہے اگرچہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہتا کہ پورے ہندوستان میں لکھی جاتی ہے لیکن ایک بہت بڑا حصہ اس زبان میں لکھتا اور بولتا ہے۔

ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے فرمایا کہ شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والی زبان صرف سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ کوئی بلند مقاصد عظیم خیالات شاندار تصورات عوامی احساس نہیں سمجھے جا سکتے ایسی زبان حکومت کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی۔ مجھے ایک زبان بنانا ہوگا۔ یہ کہیں باہر سے لانا نہیں ہے بلکہ خود یہاں موجود ہے۔

انھوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں محض ہندوستانی یا بہاری نہیں ہوں بلکہ وزیر اعظم بھی ہوں مجھ پر جتنا ہندو کا دعویٰ ہے اتنا ہی مسلمان اور دوسروں کا ہے۔ آزاد ہندوستان میں زبان کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایسے مسائل کو سلجھانے کے لئے بڑی ہوشیاری اور دانشمندی کی ضرورت پڑتی ہے

انھوں نے مزید فرمایا کہ اردو اور ہندی بدقسمتی سے مسلمان اور ہندو تنگ نظروں کی زبان بن گئی ہے میں اردو ہندی ہندوستانی جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا ہوں بلکہ ان جھگڑوں کو ختم کرنا چاہتا ہوں جو بدتمیزی اور بڑے پن کا دور ختم ہو گیا۔ آج ملک کے سامنے بڑے بڑے تعمیری اور بین الملکی مسائل ہیں بڑے بڑے منصوبے اور اسکیمیں ہیں۔ آج مجھے تمام مسائل پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔

ترقی کے لئے طرح طرح کی راہیں نکالنا ہیں ملک کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا کر کھڑا کرنا ہے یہ وقت فضول جھگڑوں میں پڑنے کا نہیں۔ جہاں تک زبان کے مسئلہ کا تعلق ہے میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی ایک زبان ہے جو ہندی اردو کے زندہ رہنے کے پھلنے پھولنے کے باوجود بھی ایک زبان بن سکتی ہے۔ ہمیں صرف انہیں پر غور کرنا ہے۔ اردو زبان کے مسئلہ کو طے کرنا ہے۔

سنگھ پر سے پابندی اٹھانے کا مسئلہ

راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ پر سے پابندی اٹھانے کا مسئلہ حکومت ہند کے زیر غور ہے۔ حال کی ایک خبر میں کہا گیا ہے۔

راشٹریہ سیوک سنگھ پر سے پابندی اٹھائے جانے کی لوگوں کو بڑی فکر ہے۔ ایک ایسی جماعت جس نے آزادی کے بعد اور اس سے پہلے ملک میں قتل و غارت کا طوفان برپا کرایا۔ اور پھر حکومت کے خلاف مورچہ لگایا۔ اس کی کس خوبی کی بنیاد پر بحالی چاہی جا رہی ہے

خبر میں کہا گیا ہے کہ حکومت ہند کا خیال ہے کہ اگر اسے اطمینان ہو جائے کہ سیوک سنگھی خفیہ سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گے اور خفیہ طور پر سرگرم کار نہ ہوں گے تو ان پر سے پابندی اٹھائی جائے گی۔

سیوک سنگھ کا وجود ہی اس لئے ہوا تھا کہ اقلیت کے باشندوں کا قتل و غارت کرے جس کی بنیاد ہی فساد [illegible] اور [illegible] اب اس [illegible]

برلن کے مسئلہ پر راز کے اجلاس میں مباحثہ

چار بڑی طاقتوں کے وزرائے اعظم کی کانفرنس نے راز میں اجلاس کیا۔ اس کے بارے میں مشاہدین قیاس کرتے ہیں کہ تصفیہ برلن کے خاکہ پر حقیقی مباحثہ کا آغاز کرنے کی۔ ایک تحریک تھی۔ اطلاع دی گئی ہے کہ مسٹر وشنسکی نے کھلے اجلاس میں کہا کہ وہ متحدہ جرمنی اور اتحادی نگرانی کے سوال پر ایک بیان دینا چاہتے ہیں۔ نیز بتلایا گیا ہے کہ معاہدہ صلح کے موضوع پر گفتگو کرنے سے تمام نے اتفاق کیا۔ ۱½ گھنٹے کے کھلے مباحثہ کے بعد راز کا جو اجلاس شروع ہوا اس کے بارے میں سرکاری بیان ہے کہ وہ اس اجلاس میں کل کی کارروائیوں کے طریقہ کار پر بحث کر رہے ہیں۔

ایک روسی ترجمان نے بتلایا کہ صلح نامہ جرمنی کا مسودہ تیار کئے جانے کا مسٹر وشنسکی نے جو کہا تھا اور جس میں یہ شرط رکھی گئی تھی کہ صلح نامہ پر دستخط ہو جانے کے ایک سال بعد تمام قبضہ گیر افواج کو واپس بلا لیا جانا چاہئے اب تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔

ریاست ہائے متحدہ کے ایک ترجمان نے بتلایا کہ کل کھلے اجلاس میں وزراء کس موضوع پر گفتگو کریں گے اس کا تصفیہ راز کے اجلاس میں ہوگا۔ وزراء نے آج کے اجلاس میں اپنے پیش نامہ کے تیسرے فقرہ کے بموجب جدید معاہدہ صلح کے تیار کئے جانے کے موضوع پر اپنی بحث ختم کی۔

مسٹر اچی سن نے اصرار کیا کہ جدید معاہدہ صلح کی تیاری اور جرمنی کے اتحاد کا کام ایک ساتھ ہونا چاہئے۔ لیکن جرمنی کے اتحاد پر متفق ہونے میں جو ناکامی ہوئی اس کی روشنی میں انھوں نے کہا کہ مسٹر وشنسکی کی تجاویز کا مطلب صرف ایک پروپگنڈہ کرنا ہے۔

مسٹر شومن نے کہا کہ قبضہ گیر افواج کے ہٹانے پر اتفاق کرنے سے قبل اس امر پر غور کر لیا جانا چاہئے کہ فوجوں کے ہٹ جانے کے بعد کس قسم کا جرمنی ابھرے گا۔

مسٹر بیون نے کہا کہ فوجوں کی واپسی کے سوال پر اس وقت تک غور نہیں کیا جا سکتا جب تک حفاظتی تدابیر سے متعلق اطمینان حاصل نہ کر لیا جائے گا۔

بالآخر متفقہ طور پر یہ طے کیا گیا کہ صلح نامہ کا موضوع ختم کر دیا جانا چاہئے۔

اس کے بعد اجلاس اس مباحثہ پر ختم ہو گیا کہ آیا کل کے اجلاس میں پیش نامہ کے آخری فقرہ — معاہدہ آسٹریا — پر غور کیا جائے گا۔ یا جرمنی سے متعلق ابتدائی تین فقرات پر۔ مغربی وزراء نے اول الذکر سے اتفاق کیا اور مسٹر وشنسکی نے آخر الذکر سے۔

برطانوی ذرائع کی اطلاعات کے بموجب بالآخر یہ طے کیا گیا کہ مسٹر وشنسکی چونکہ متحدہ جرمنی اور اتحادی نگرانی کے سوال پر ایک جدید بیان دینا چاہتے ہیں اس لئے کل کے اجلاس میں پیش نامہ کے پہلے فقرہ پر غور و خوض کیا جائے گا۔

برلن کی چار بڑی طاقتوں کی قبضہ گیر افواج کے ماہرین اقتصادیات نے بیان کیا کہ حمل و نقل کے سوال پر کوئی اتفاق نہیں ہونے پایا ہے کیونکہ روسی عہدہ داروں کو کل نگرانی رکھنے پر اصرار ہے تاہم کل مزید ایک اجلاس منعقد کئے جانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ماہرین اقتصادیات کو تجارتی یا مالیاتی اور حمل و نقل کے مسائل پر وزیر اعظم کی کونسل میں رپورٹ پیش کرنے کی آخری تاریخ ۱۳ جون مقرر کی گئی ہے۔

ریاستی وزارت ایک طاقتور اور متحدہ ہندوستان کی تعمیر کر رہی ہے

مسٹر ایم۔ کے۔ ویلوڈی معتمد ریاستی وزارت نے کہا کہ جولائی ۱۹۴۷ء سے جب کہ ریاستی وزارت قائم ہوئی ہے وہ ایک طاقتور اور متحدہ ہندوستان کی تعمیر کے کام میں لگی ہوئی ہے ریاستی وزارت اپنے اس مقصد کے حصول میں ہندوستانی ریاستوں کو ختم نہیں کر رہی ہے بلکہ وہ ان کے مابین اتحاد قائم کر رہی ہے۔ یہاں سے ایک نشری تقریر کے دوران میں مسٹر ویلوڈی نے کہا کہ ریاستی وزارت کے پیش نظر مختلف ریاستوں کو زندگی کے مختلف پہلوؤں یعنی سیاسی، انتظامی اور معاشی لحاظ سے صوبوں کی سطح پر لانے کا کام رہا ہے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے ضروری تھا کہ ریاستوں کو مختلف انتظامی اکائیوں میں تبدیل کر دیا جائے ریاستوں کے الحاق کا کام ایک انقلابی عمل ثابت ہوا۔ الحاق کا کام ایک قطعی منصوبہ کے تحت کیا گیا۔ اس سلسلہ میں یہ امر ملحوظ رہا کہ ہندوستان کی وحدت متاثر ہونے بغیر ہندوستانی ریاستی علاقوں میں جمہوری اداروں کی ترقی ممکن ہو سکے۔ مسٹر ویلوڈی نے کہا کہ اب ان ریاستوں کو صوبوں کی سطح پر لانے کا کام باقی رہ گیا ہے۔ اور اس کے لئے ابھی مدت درکار ہے۔ ریاستی یونینوں کے لئے دستور کے تحت ریاستی یونین کی حکومت صوبائی حکومت سے قریبی ربط قائم رکھے گی۔ انھوں نے کہا کہ یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ صوبوں میں ریاستوں کے انضمام سے کیا اثر رونما ہوا ہے جن ریاستوں کا صوبوں میں انضمام عمل میں آیا ہے ان کا نظم و نسق صوبہ کا ایک جز خیال کر کے صوبائی حکومت چلائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن مسائل کا ذمہ دار مرکز ہے ان سے تو مرکزی حکومت ہی نمٹے گی لیکن صوبائی مسائل سے متعلقہ صوبائی حکومت ہی عہدہ برآ ہوگی صوبوں میں ریاستوں کے انضمام کے نتائج ابھی پوری طور پر معلوم نہیں ہوئے ہیں بسلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے مسٹر ویلوڈی نے کہا کہ کئی لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ حکمرانوں کے جیب خاص کی رقومات مقرر کرنے میں حکومت نے کافی فیاضی سے کام لیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حقیقت حال یہ ہے کہ کسی ریاست کی ایک لاکھ کی اوسط سالانہ آمدنی پر ۱۵ فی صدی کے حساب سے جیب خاص مقرر کیا گیا ہے۔ ۲ تا ۵ لاکھ کی آمدنی کے لئے ۱۰ فیصد اور ۵ لاکھ سے زیادہ آمدنی کے لئے ۷½ فیصد جیب خاص اور اکثر صورتوں میں دس لاکھ روپیہ سے زائد رقم منظور نہیں کی گئی ہے۔ صرف بڑی ریاستوں کی صورت میں اس زائد رقم منظور کی گئی ہے۔ حکمرانوں کی آئندہ نسل میں کسی کو بھی دس لاکھ روپیہ سے زائد رقم کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ حکمرانوں کی جیب خاص کی رقومات جو مقرر کی گئی ہیں ان میں ان کے تمام اخراجات شامل ہیں مثلاً رہن سہن، شادی بیاہ، اور دیگر تقریبات کے اخراجات وغیرہ۔ مسٹر ویلوڈی نے کہا کہ مرکز اور صوبوں کے درمیانی تعلقات اور مرکز اور ریاستوں کے درمیانی موجودہ روابط میں اختلاف ہے۔ سابقہ تعلقات صرف دستوری نوعیت کے تھے اور قانون ۱۹۳۵ء کے مطابق تمام امور طے پاتے تھے۔ مرکز اور ریاستوں کے درمیانی تعلقات زیادہ تر ان معاملات کے مطابق طے پاتے تھے جو مرکز اور راج پرمکھوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ ان ریاستوں کے انضمامات مرکز اور ریاستوں کے درمیانی تعلقات میں کسی دستوری اساس کا فقدان اور نظم و نسق کے نامناسب انتظامات کی وجہ

ہے حکومت ہند نے یونینوں کی حکومتوں پر عام نگرانی قائم رکھنا ضروری خیال کیا۔ اور معاہدات میں مالی معاملات میں جو تحفظات رکھے گئے ہیں ان کی رو سے ریاستی حکومتوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ مرکز کے احکام کی پابندی کریں۔ اسی طرح سے مرکز کا صوبوں پر اتنا کنٹرول قائم نہیں ہے جتنا کہ ریاستوں پر۔ مستقبل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مسٹر ویلوڈی نے کہا کہ انضمام سے متعلقہ ابھی بہت سخت کام کرنا باقی ہے۔ ان ریاستوں اور یونینوں میں باقاعدہ نظم ونسق قائم کرنے اور ان ریاستوں کی حکومت کو ذمہ داریاں سونپنے کی فوری ضرورت ہے۔ سیاسی اور معاشی ترقی کا کام مناسب وقت پر کیا جائے گا۔ ان یونینوں کے ریجنوں میں جو سیاسی مشکلات ہیں اس کے ایک زیادہ حصہ پر قابو حاصل کر لیا گیا ہے۔ اب تک ریاستی وزارت نے جو کام کیا ہے وہ ایسا کام تھا جس کو ایک صدی سے زائد عرصہ سے نظر انداز کیا جاتا رہا تھا۔ اور جب کوئی شخص ان خیالات کے تحت ریاستی وزارت کے کام پر نظر ڈالتا ہے تو وہ معمولی غلطیوں کو چھوڑ کر ریاستی وزیر کی عقل، دوربینی اور صبر و تحمل اور حکمرانوں و ریاستی عوام سے دلی تعاون عمل کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس کے بغیر یہ کام تقریباً ناممکن تھا کہ پورا ہو جاتا۔

ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا فیصلہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

فرقے اور مختلف ذات کے لئے اپنے آپ کو ایک جداگانہ وحدت سمجھتے رہیں گے۔ اور مجالس مقننہ اور ملازمتوں میں اپنی نمائندگی کی کوشش کرتے رہیں گے اکثریتی فرقہ اپنی قوت کے بل بوتے پر ان کے مطالبات کو دبا سکتا ہے لیکن اس کا نتیجہ مایوسی اور ناانصافی کے احساس کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ملک میں سماجی اتحاد پیدا نہ ہو سکے گا۔ ضرورت ہے کہ مختلف فرقوں میں علیحدگی کا احساس ہی باقی نہ رہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر شہری کو سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق مساوی طور پر حاصل ہوں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ذہنی انقلاب کی ضرورت ہے محض سیاسی تدابیر سے یہ ممکن نہیں۔ (ریڈیکل ہیومنسٹ)

اشتہار

مرتبہ از محکمہ عدالت دیوانی ضلع ورنگل۔ مورخہ ۴ ؍ امرداد ۱۳۵۵ ف

نمبر مقدمہ ۱۲۲ ؍ ۱۳۵۵ ف۔ باجلاس راجہ کرت چند بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ناظم عدالت ضلع ورنگل۔ ویل پلی راجا راؤ درخواست گزار بنام سرکار عالی۔ دعوئی عطائے صداقت نامہ وراثت۔ بنام ہر گاہ مقدمہ معنونہ میں مسمی ویل پلی راجا راؤ ولد سیتا راما نجانیلو عمر ۱۰ سال نابالغ بولایت ماں حقیقی ویل پلی انسوا خاوند سیتا راما نجانیلو ساکن کھمم نے درخواست عطائے صداقت نامہ وراثت پیش کیا ہے کہ پدر درخواست گزار ویل پلی راما نجانیلو کا انتقال بتاریخ ... بمطابق ۲۱ خورداد ۱۳۵۵ ف بمقام کھمم ہو گیا ہے متوفی کے نام دی جیو جنرل انشورنس کمپنی لمیٹڈ کی ایک پالیسی نمبری ... رقمی (...) کا کاروبار قائم ہے درخواست گزار متوفی کا حقیقی فرزند اور وارث شاستری ہے بجز سائل کے متوفی کے اور کوئی وارث نہیں ہے لہذا درخواست گزار کو صداقت نامہ بغرض حصول رقم پالیسی مذکور عطا فرمایا جائے۔ پس منظر پیش ہونے درخواست ہذا کے ذریعہ ہذا اطلاع کیا جاتا ہے کہ درخواست گزار کو عطائے صداقت نامہ کے لئے جس کسی کو عذر یا حق وراثت ہو تو وہ بتاریخ ۲۰ ؍ امرداد ۱۳۵۵ ف اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہذا ہو کر جوابدہی کریں۔ بصورت ثانی حسب ضابطہ کارروائی عمل میں لائی جائے گی پھر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۴ ؍ امرداد ۱۳۵۵ ف میری دستخط و مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ دستخط

فرحدہ دستخط — شرحدہ دستخط

معتمد ... دیوانی — سررشتہ دار صاحب عدالت ضلع ورنگل

اعلان: محکمہ معتمد رسد حکومت حیدرآباد۔ مورخہ ۱۲ ؍ امرداد ۱۳۵۵ ف

نشان ۵۹۰۸ (پی۔ ایس)

جمیع تجار کو ذریعہ ہذا اطلاع کیا جاتا ہے کہ فی تاجر (۵۰۰) ہزار پلے برآمد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور جونہی اس کی قیمت موجودہ بازاری نرخ سے (۲۵) فی صد بڑھ جائے اس کی برآمد فوری روک دی جائے گی۔ برآمد موجودہ طریقہ پر عمل میں آئے گی اور برآمد کنندہ سرچارج بحساب بارہ آنے فی پلہ ناکہ جات کروڑگیری میں داخل کرنا ہوگا۔ مقررہ مقدار برآمد ختم ہونے پر اس کی برآمد فوری مسدود کر دی جائے گی فقط۔ (منجانب معتمد رسد)

معاشی مسائل حل کئے بغیر روشن مستقبل کی توقع نہیں

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

کی جاتی رہی کہ قومی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی اس برائی کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔ لیکن ابھی تک تو یہ آثار بھی نہیں پائے گئے کہ رشوت ستانی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے اسی طرح برائی میں کمی ہو رہی ہے۔ پنڈت کنزرو نے اعلیٰ رتبہ کے کانگریسیوں کی اس جرأت کی داد دی کہ وہ مدراس اور بہار کے بعض انتظامی معاملات کی چھان بین کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی توقع کا اظہار کیا کہ وزراء کے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ بے بنیاد ثابت ہوں گے۔ اور اگر اس سلسلہ میں مزید تحقیقات کی ضرورت محسوس ہوئی تو نظم ونسق کو تمام برائیوں سے پاک کرنے کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں گے کہ اعلیٰ روایات باقی رہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں انگلینڈ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ عوامی خدمات پر تقررات جس طریقہ سے کئے جاتے ہیں ان پر لوگوں کی تنقید کا بھی پنڈت کنزرو نے ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ شکایت کی جا رہی ہے کہ خاص خاص امیدواروں کے تقرر کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے ارکان پبلک سروس کمیشن پر اثرات ڈالے جاتے ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ نظم ونسق کی مشنری سیاسی اور دیگر اثرات سے پاک رہے تو ہمیں چاہئے کہ آئندہ ہونے والے عہدہ داروں کے انتخابات کے وقت مناسب لحاظ رکھا جائے گا۔ صرف اسی صورت میں ہم اقتدار حکومت کا لحاظ کئے بغیر ایک اچھا نظم ونسق قائم رہ سکتا ہے۔ پنڈت کنزرو نے آخر میں اپنی توقع کا اظہار کیا کہ اس برائی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

دی کوہ نور پرنٹنگ پریس لمیٹڈ میں طبع ہو کر دفتر ... سے شائع ہوا